مظفر گڑھ میں اُردو غزل کی روایت

The Tradition of Urdu Ghazal in Muzaffargarh

اختر عباس[i] ڈاکٹر شکیل پتافی[ii]

Abstract:

Muzaffargarh occupies a significant position in the cultural history of science, literature, poetry, and journalism. Geographically situated near Multan, the region has historically served as a transitional route for various invasions and migrations. Iranian, Arab, and Afghan forces passed through Muzaffargarh during different periods, and even Alexander the Great reached Multan via the Indus River through this area, encountering strong resistance there. Due to these historical and geographical connections, Muzaffargarh has long been regarded as a sub-region of Multan, sharing similar cultural, intellectual, and literary traditions. Among Urdu literary genres, the ghazal holds a central place, and Muzaffargarh has maintained a strong and continuous tradition of Urdu ghazal poetry. Poets from this region contributed significantly by introducing new themes, sensibilities and stylistic trends to the Urdu ghazal. This article examines and outlines the tradition of Urdu ghazal in Muzaffargarh and highlights its distinctive literary contributions.

Keywords: *Urdu ghazal, Muzaffar Garh, topics, civilization, culture, knowledge, literature.*

مظفرگڑھ کو علم، ادب، شاعری اور صحافت کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ جغرافیائی طور پر یہ خطہ ملتان کے قریب واقع ہے اور تاریخی اعتبار سے مختلف ادوار میں ایرانی، عرب اور افغان حملہ آوروں کی گزرگاہ رہا ہے۔ سکندرِ اعظم بھی دریائے سندھ کے راستے مظفرگڑھ کے علاقے سے گزرتے ہوئے ملتان پہنچا، جہاں اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تاریخی اور جغرافیائی روابط کے باعث مظفرگڑھ کو طویل عرصے تک ملتان کا ذیلی خطہ سمجھا جاتا رہا ہے، اور اس کی تہذیبی، فکری اور ادبی روایات بھی ملتان ہی کے تسلسل میں تشکیل پاتی رہی ہیں۔ اردو کی اصنافِ سخن میں غزل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور مظفرگڑھ اردو غزل کی ایک مضبوط اور مسلسل روایت کا حامل خطہ ہے۔ اس علاقے کے شعرا نے اردو غزل میں نئے موضوعات، تازہ حسّیات اور اسلوبی رجحانات متعارف کروا کر اس صنف کو فکری اور فنی اعتبار سے وسعت بخشی۔ یہ آرٹیکل مظفرگڑھ میں اردو غزل کی روایت کا جائزہ لے کر اس کی نمایاں ادبی خصائص کو اجاگر کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: اُردو غزل، موضوعات، تہذیب و ثقافت، علم و ادب۔

علم و ادب شعر و شاعری اور صحافت کے تناظر میں مظفر گڑھ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جغرافیائی حوالے سے یہ علاقہ ملتان کے قریب ہے۔ ایرانیوں، عربوں، افغانیوں نے ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے مختلف ادوار میں حملے کیے اور ان سب کی گذرگاہ مظفر گڑھ کا علاقہ ہی رہا ہے۔ سکندرِ اعظم کو ملتان میں بہت زیادہ مزاحمت کا سامنا رہا۔ سکندرِ اعظم بھی دریائے سندھ کے راستے مظفر گڑھ کے علاقہ سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا تھا۔ اسی لیے اسے ملتان کا ایک ذیلی علاقہ سمجھا جاتا رہا ہے اور اس کی تہذیب و ثقافت، علم و ادب کا دور بھی وہی ہے جو ملتان کا ہے۔ اُردو اصنافِ سخن میں غزل کو اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ مظفر گڑھ اُردو

---

i سکالر پی ایچ۔ڈی، شعبہ اردو، NCBA&E، ملتان۔

ii پروفیسر، شعبہ اردو، NCBA&E، ملتان(Corresponding Author)

شاعری بالخصوص اُردو غزل کے حوالے سے مضبوط روایت کا حامل خطہ ہے۔ مظفر گڑھ کے اہم شعرا میں سید سرمد ترمذی، عطااللہ ناوک، نواب بلال میر زا خانی، کشفی ملتانی، خلیق ملتانی، حکیم چراغ علی آزاد، نوابزادہ نصراللہ خاں، پروانہ بجنوی، غفور ستاری، بیاض سونی پتی، ، شہید ابن علی، ریاض انور، اختر جعفری، فاتح واسطی، رضاٹوانہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مظفر گڑھ کے مضافات کے نمایاں شعرا میں میاں شیر محمد وفا، نبی بخش اظہر، حکیم سید عبدالمجید راحی، میاں اللہ ڈتہ عاجز، غلام حسین نفر، اللہ بخش بلوچ، مولانا الٰہی بخش لائق، فقیر نور جعفری، مظفر علی فتح، بیدل بصیروی، شبیر نادر، غلام مہدی شوق، ذاکر رحمانی، عادل فریدی، محمد افضل بدر، ندیم بصیری، شاغل خان گڑھی، نقیب جعفری، گفتار خیالی، وزیر تابش، قائم نقوی، مہر محمد عاجش، محمد شریف منتظر، نسیم جعفری، جلال فاروقی، تسنیم انبالوی، حافظ گشکوری، شبیر جاوید بخاری، مقبول احمد مقبول، سہیل جعفری، ڈاکٹر جاوید اکبر نمایاں شعرا ہیں۔

ان میں سے منتخب شعرا کا ذکر اور نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

سید سرمد ترمذی

اصل نام منظور حسین تھا۔ ۴ جولائی ۱۸۹۷ء کو محلّہ قاضی باڑہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنے والد محترم سید الفت علی تخلص بہ گویاؔ سے اصلاح لی۔ انھوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف کو وسیلہ اظہار بنایا۔ مذہبی شاعری سہرا نویسی اور تاریخ گوئی ان کے خاص میدان تھے۔ تاریخ نکالنے میں انھیں ملکہ حاصل تھا اور اس میں ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تاریخیں کامل ہوتی تھیں۔

ان کی مذہبی شاعری حمد و نعت، مناقب اور قصائد پر مشتمل ہے۔ گلزار سرمدی کے نام سے اس کی تین جلدیں مرتب ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد شائع شدہ ہے لیکن گلزار سرمدی ایک مذہبی نوعیت کی تصنیف ہے اور اس میں جناب سرمد کی تخلیقی شان بھرپور انداز میں ظہور نہیں کر سکی۔ ان کے اندازِ تغزل پر اس قدیم اسلوب غزل نگاری کی چھاپ بری گہری ہے جس کے طرہ ہائے امتیاز رعایت لفظی اور ایہام گوئی تھے۔ ان کے کلام میں بے ساختہ اور بے تکلف اظہار بیان کی مثالیں بھی کثرت مل جاتی ہیں اور بعض اشعار ایسے بھی مل جاتے ہیں جو ان کے شعور عصر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

بہت سوچا مضامین ذہن میں پر خال خال آئے — لگا لکھنے میں جس دم وصف روئے یار کے تِل کے [1]

پورا نہ ہوا فسانہ غم اور رات تمام ہو گئی ہے [2]

نواب جلال میرزا خانی

ان کا اصل نام عبید اسلام خان جب کہ ادبی نام جلال میرزا خانی تھا۔ ان کے آباء و اجداد شہاب الدین محمد غوری کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ انھوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ غزل میں میرؔ کا اور نظم میں منفرد رنگ نمایاں ہے۔ نواب صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور میں چار سال تعلیم حاصل کی اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ صحافت میں گزارا۔ دہلی میں لوکل مائکروفون اسسٹنٹ ڈائریکٹر رہے۔ ان کی تقاریر آل انڈیا ریڈیو اور ریڈیو پاکستان سے ایک مدت تک نشر ہوتی رہیں۔ متعدد رسائل و جرائد کے مدیر رہے۔ علم الالفاظ کے ماہر اور مختلف درسی کتب مصنف تھے۔

ان کے شعر پڑھنے کے انداز میں بھی ایک وضع داری اور متانت تھی۔ مرحوم کا کلام اردو ادب کی متاع عزیز ہے وہ منفرد افکار و اظہار کے شاعر اور ادیب تھے۔ اسلام اور سرزمین پاک سے ان کی محبت عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ کلام دیکھیں:

بے چارگی میں آنکھ سے آنسو نکل پڑے	دفتر تھا شوق کا نہ سمایا کتاب میں
آس توڑی ہچکیوں نے یوں دم آخر جلال	جس طرح اک اک کڑی نکلے کسی زنجیر سے [۳]

کشفی ملتانی

کشفی ملتانی کا نام اللہ بخش تھا اور تخلص کشفی۔ سید عبدالوہاب دین پناہ سے، جن کے نام پر قصبہ دائرہ دین پناہ آباد ہے، روحانی نسبت کی بنا پر فقیر کہلانا پسند فرماتے تھے۔ ان کا مکمل نام اپنے جملہ سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ درج ذیل ہے: ”بلبل ملتان، قلندر دین پناہی، فقیر اللہ بخش، کشفی الاسدی ملتانی“۔ کشفی دائرہ دین پناہ میں ۱۵ جون ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی، ورنیکلر مڈل کوٹ ادو سے کیا۔ لیہ سے ۱۹۱۸ء میں جونیئر سپیشل کا امتحان پاس کیا۔ ڈیرہ غازی خان سے ۱۹۱۹ء میں سینئر سپیشل اور ۱۹۲۱ء میں ای۔ وی۔ کے کورس کیے۔ نارمل میں جناب کیفی جام پوری اور آپ نے نارمل سکول ملتان کے ادبی جریدہ کانخلستان کی ادارتی معاونت کی۔ فقیر غلام حیدر ان دنوں نخلستان کے مدیر تھے۔

انھوں نے ۱۹۲۱ء میں بہ طور مدرس ملازمت شروع کی۔ ڈیرہ غازی خان، ملتان، ریواڑی، راول پنڈی، روہتک اور سیال کوٹ میں تبادلے ہوتے رہے۔ ۱۹۴۴ء میں انھوں نے قبل از وقت پنشن لے کر سلسلہ ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور مظفر گڑھ میں سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ ملک قادر بخش

جکھڑ کے مقابلے میں الیکشن لڑا اور شکست جیتی۔ ۱۹۴۸ء میں ملتان سے دستی پریس لے آئے اور طباعت کا کام شروع کی، بعد میں یہ کاروبار ان کے اکلوتے بیٹے جناب جاوید وصفی نے سنبھال لیا اور اسے خوب ترقی دی۔ ۱۹۵۰ء میں مظفر گڑھ سے ایک ہفت روزہ اخبار بشارت جاری کیا جو ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۷ء میں بند ہو گیا۔ بشارت نے ضلع مظفر گڑھ اور اس کے نواحی علاقوں میں علم و ادب کی ترویج و اشاعت اور نئے لکھنے والوں کی تربیت و پرداخت میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ بشارت سے قبل بھٹی کشفی متعدد جرائد کی مدیرانہ سرپرستی فرما چکے تھے ان جرائد میں پیغام ترقی مظفر گڑھ، ملتان پنچ اور باغ و بہار خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

انھوں نے غزل گوئی میں وہ مقام پیدا کیا کہ علامہ ابن حسن جار چوی، سر عبدالقادر، جگر مراد آبادی، مولانا صلاح الدین اور حفیظ جالندھری جیسے آئمہ فن نے آپ کے کلام کی داد دی۔ کشفی صاحب کی مطبوعہ تصانیف روح اسلام سانحہ کربلا کے منظوم واقعات اور نغمہ صحرا (خواجہ فرید کے منتخب کلام کا منظوم اُردو ترجمہ) ہیں۔ پروفیسر طاہر تونسوی نے ان کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں شجر سایہ دار صحرا کا کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی جو مکتبہ عالیہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی۔ درون میکدہ (غزلیں) بیرون میکدہ (نظمیں) مطالب القرآن کے چند پاروں کا منظوم مفہوم اور طفلستان (بچوں کے لیے نظمیں)، یہ نظمیں کشفی صاحب کی غیر طبوعہ تصانیف ہیں ان کا نمونہ کلام یہ ہے:

شور ہے ہر طرف سحاب سحاب — ساقیا ساقیا شراب شراب
آب حیواں کو مے سے کیا نسبت — پانی پانی ہے اور شراب شراب
رند بخشے گئے قیامت میں — شیخ کہتا رہا حساب حساب [۴]

خلیق ملتانی

خلیق ملتانی ۳۰ جون ۱۹۲۱ء کو رنگ پور ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ رنگ پور ملتان، لدھیانہ اور ندوۃ العلماء لکھنو میں تعلیم حاصل کی۔ شاعری کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا۔ کشفی ملتانی سے اصلاح لی۔ ۱۹۳۱ء میں ملتان سے سہ روزہ اخبار ملتان پنچ نکالا۔ کچھ عرصہ زمیندار لاہور سے بھی منسلک رہے۔ ملتان سے ہفت روزہ مشرق اور روز نامہ چناب کا بھی اجرا کیا۔ ۱۹۴۷ء میں تصویرِ ملتان شائع کی۔ ۱۹۴۹ء میں بہاول پور گئے اور آخر تک وہیں مقیم رہے۔ ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو انتقال ہوا۔

خلیق ملتانی کا مجموعہ کلام دولتِ احساس کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔ انھوں نے غزل

بھی کہی اور نظم نگاری بھی کی۔ ان کی بعض نظموں کے موضوعات قومی اور ملی ہیں، اور بعض کے رومانی۔ انھوں نے طنزیہ ومزاحیہ نظمیں اور قطعات بھی کہے ہیں۔ غزل گوئی میں تو ان کو رہرو درماندہ نظر آتے ہیں لیکن ان کی نظمیں بے اعتنائی کی سزاوار نہیں ہیں۔ قومی اور ملی موضوعات پر کہی ہوئی نظمیں واقعی دولت احساس سے مالا مال ہیں اور قابلِ قبول ہیں۔ ان کی طنزیہ ومزاحیہ نظموں کے بعض حصے دل چسپ ہیں۔ ان کا نمونۂ کلام ملاحظہ کریں:

مرثیہ بستر مرحوم کا

یہ گل و بلبل کا قصہ ہے نہ زاغ و بوم کا   پیش ہے اس وقت اک مضموں نئے مفہوم کا
مرثیہ لکھنے لگا ہوں بستر مرحوم کا   حال پتلا ہو گیا ہے شاعر مظلوم کا [۵]

حکیم چراغ علی آزاد

حکیم چراغ علی آزاد ۵ جنوری ۱۹۱۴ء محمود کوٹ (ضلع مظفر گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ بستی شہید آباد ڈاک خانہ محمود کوٹ (ضلع مظفر گڑھ) کے رہنے والے تھے۔ ۳۳۔۱۹۳۲ء میں ٹھٹھہ کرمانی کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے۔ فاضل اجل حکیم مولوی کریم بخش سے عربی اور فارسی زبانیں سیکھیں اور انھی سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۷ء میں ادیب عالم اور ۱۹۳۸ء میں منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ انھوں نے آزادی وطن کے لیے مختلف تحریکوں کا ساتھ دیا۔ مجلس احرارِ اسلام سے بھی تعلق رہا۔ ۱۹۴۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں قید وبند کے مراحل سے گزرے۔ قید میں ان کو مختلف مکاتبِ فکر کے اہلِ علم سے ملنے کا موقع ملا۔ کانگریس کے بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے کمیونسٹوں کا وہاں الگ حلقۂ مطالعہ تھا۔ چناں چہ ان ایام اسیری میں انھیں سوشلزم اور کمیونزم کا بھرپور مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

چراغ علی آزاد کا شمار صاحب علم اہل تشیع میں ہوتا تھا۔ ان کا قلمی مجموعہ حضرت کشفی ملتانی کے پاس موجود تھا اور اسی زمانے میں رباعیات کا انتخاب کر لیا تھا:

ساغر میں ہوئے شمس و قمر بھی پانی   گوہر میں ہوئی آب گہر بھی پانی
ساقی تری نظروں کا گداز کامل   کر دیتا ہے ہیرے کا جگر بھی پانی [۶]

نوابزادہ نصر اللہ خان

نواب زادہ نصر اللہ خان، نواب سیف اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے دادا اور پر دادا قریباً سوا سو سال

پیشتر غزنی سے برِ عظیم میں آئے تھے۔ نواب زادہ نصر اللہ ۱۹۱۸ء میں خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ چھے برس کے تھے کہ ان کے والد کا ۱۹۲۴ء میں انتقال ہو گیا۔ انھوں نے ڈی بی ہائی سکول خان گڑھ سے ۱۹۳۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سکول کے ہائی درجہ میں وہ راجا محمد عبداللہ نیاز کے شاگرد رہے۔ راجا محمد عبداللہ نیاز اس زمانے میں خان گڑھ میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ نیاز صاحب محض نصابی کتب کی تدریس تک ہی محدود نہ رہتے تھے بلکہ اپنے طلبہ کے ادبی ذوق کی تربیت پر بھی توجہ دیتے تھے اور جماعت کو فارسی اور اردو کے عظیم شعرا کا کلام موقع بہ موقع سناتے رہتے تھے۔ نواب زادہ نصر اللہ خان نے ایمرسن کالج ملتان سے ۱۹۳۵ء میں انٹر اور ۱۹۳۷ء میں گریجوایشن کیا۔ عبداللطیف تپش اکبر منیر، تاج محمد خیال اور ن۔ م راشد آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

نواب زادہ کی سیاسی زندگی کا آغاز زمانۂ طالب علمی میں ہو گیا تھا۔ اوائل میں مجلس احرار میں شامل ہو کر سیاسی خدمات سر انجام دیتے رہے، کیوں کہ اس دور میں انگریزوں کے خلاف یہ واحد مستعد تنظیم تھی۔ وہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۷ء تک مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری رہے۔ قیام پاکستان کے بعد عوامی لیگ کی مغربی پاکستان شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔ انھوں نے پاکستان کے متعدد سیاسی بحرانوں میں کاروانِ جمہوریت کی پاسبانی کی۔ ان کی سیاسی بصیرت اور جرات، اظہار حق، سیاسی آمروں کی شاطرانہ چالوں کا کامیاب توڑ ثابت ہوتی رہی ہیں۔ پاکستان کے سیاسی مدوجزر میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

نواب زادہ صرف سیاست ہی کے مردِ میداں نہیں، کشورِ شعر وادب کے تاج دار بھی تھے۔ سیاسیات کی طرح ادب سے بھی ان کی دیرینہ وابستگی رہی۔ غالب، انیس، فانی، جگر، اصغر گونڈوی اور جوش ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ جگر، جوش، اختر شیرانی، حضر تمیمی، ڈاکٹر تاثیر، پطرس بخاری، احسان دانش اور متعدد دیگر شعرا کے ساتھ ان کی نشستیں رہیں۔ خان گڑھ میں بھی شعری نشستیں ہوتی تھیں جن میں دیگر شعرا کے ساتھ کشفی ملتانی بھی شریک ہوتے تھے۔ شعر و سخن کے ذوق اور مطالعے کے باب میں وہ حیران کر دینے والے انسان تھے۔ وہ فارسی اور اردو کے بر محل اشعار پڑھ کر اپنے مخاطبین کو ایک خوش گوار حیرت سے دو چار کر دیتے تھے۔ ان کی شاعری زیادہ تر صنف غزل میں ہے۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ کریں:

ہم سے باقی ہے ابھی گرمئی ہنگامہ شوق　　آتشِ فردا جہاں سوز نفس ہے اپنا
جس نے ماضی میں ہمیں آبلہ پائی بخشی　　وہی انداز جنوں اب کے برس ہے اپنا

گر نہیں اپنا جہاں میں کوئی ہمدم پھر کیا　　　دل دیوانہ تو اے اہل ہوس ہے اپنا [۷]

پروانہ بجنوری

اصل نام سید مختار حسین تخلص پروانہ وطن بجنور، مراد آباد میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ آٹھ برس کی عمر سے آغا شاعر قزلباش دہلوی کی صحبت میں رہے اور ایک شعر و شاعری کا آغاز کیا۔ کشفی ملتانی کے ہفت روزہ بشارت میں جناب پروانہ کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار خیال کیا گیا:

> بجنور سے ہجرت کرکے پاکستان آئے۔ کچھ عرصہ ملتان میں قیام کیا۔ زمینوں کی الاٹمنٹ کے سلسلہ میں قصبہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ میں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ شعر وشاعری کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنائے ہوئے ہیں۔ خیالات کی ندیا میں محو رہتے ہیں دینی و قرآنی معلومات عالمانہ حد تک حاصل ہیں۔ فلسفہ اسلام وقرآن کو آسان و دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ [۸]

پروانہ بجنوری فصاحت و بلاغت سے گھنٹوں بولتے تھے۔ نظم و نثر اور فارسی، ہندی زبان پر زبردست عبور تھا۔ اعلیٰ کرداری اور اعلیٰ گفتاری کا حسین امتزاج تھے۔ وہ دنیا میں امن وسکون قائم رکھنے کی ذمہ داری بھی ادیب پر ہی عائد کرتے ہیں۔ ضلع مظفر گڑھ کے دیہاتی ماحول میں بھی جو کہ شاعرانہ فطرت کے لیے قریب قریب ناقابل برداشت تھا۔ ان کی ذات شعر وادب میں اضافہ کر رہی تھی۔
پروانہ بجنوری نہایت حساس اور غیرت مند انسان تھے۔ وہ شاعری سے دمِ عیسیٰ اور صورِ اسرافیل کا کام لینا چاہتے تھے۔ ان کی شاعری ان کی مقصدیت کا آلہ کار تھی۔ ان کی ۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء کو نشتر ہسپتال ملتان میں تپ دق کے عارضہ سے فوت ہوئے:

جو ہم چپ ہیں تو میخانے بھی چپ ہیں　　　شکست دل سے پیمانے بھی چپ ہیں
بگولے بھی کریں گے رقص کب تک　　　حقیقتِ پا کے ویرانے بھی چپ ہیں
ہوتی ہے دار تک تشریح گیسو　　　اب اس کے بعد دیوانے بھی چپ ہیں [۹]

شہید ابن علی

شہید ابن علی کا اصل نام حیات اللہ تھا اور شہیدؔ اُن کا تخلص تھا۔ کچھ عرصہ تک حیات اللہ شہید

کے نام سے لکھتے رہے۔ ان کے والد کے نام کا جزو علی تھا۔ اسی نسبت سے انھوں نے بعد میں "شہید ابن علی" کا قلمی نام اختیار کیا۔ شہید دائرہ دین پناہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد غریب کاشتکار تھے۔ دائرہ ہی سے انھوں نے مڈل کا امتحان پاس کیا اور بعد میں نارمل پاس کر کے بصیرہ ضلع مظفر گڑھ میں ٹیچر مقرر ہو گئے۔ زراعت کا کورس کرنے لائل پور گئے ہوتے تھے کہ انھیں نمونیہ لاحق ہوا اور جان لیوا ثابت ہوا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تیس برس سے کم تھی۔

ان کے ادبی ترکہ میں دو سو سولہ اشعار پر مشتمل کتابچہ وفات کمال جو اتاترک کمال پاشا کی یاد میں ۱۹۳۸ء شائع ہوا۔ ۲۳ بند کا ایک مطبوعہ مدرس بنام دعوت نامہ اسلام اچھوت کے نام جو تبلیغ و اشاعت کی غرض سے معرض تحریر میں آیا، ادبی دنیا، شاہکار اور ماہنامہ پیغام ترقی مظفر گڑھ میں شائع شدہ نظمیں اور غزلیں جن کی تعداد تیس تک پہنچی ہے اور وہ بیاض شامل ہے۔

شہیدؔ کے افکار پر، فکر اقبال کا پر تو نمایاں ہے۔ وہ اقبال سے متاثر تھے بلکہ اپنے آپ کو اقبال سے اکتساب، رشد کا مشورہ دیتے تھے۔ اقبال کے معاصر اور پس رو کسی نہ کسی صورت میں اقبال کی فکر اور اس کے اسلوب سے متاثر ہوئے ہیں۔ وہ بھی اس قافلہ کے ایک باخرد رہرو تھے۔ انھوں نے بھی اپنی شاعری کو ترسیل پیغام کا ذریعہ بنایا ہے ان کی مخاطب ملت اسلامیہ ہے۔ مظفر گڑھ کے ریتلے ٹیلوں سے ٹکرا کر گونجتی ہوئی اقبال کی یہ صدائے بازگشت تحریک احیائے ملت کا گراں بہا جزو ہے۔ وہ وہ آزاد فطرت اور حریت کیش شاعر تھے بلکہ ان کے نزدیک شاعر کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ حریت ملت کو بیدار رکھے۔ ان کے کلام سے ایک مردِ حر کی شبیہ ابھرتی ہے۔ اپنی مختصر حیات میں انھوں نے جو مختصر شعری سرمایہ قوم کو دیا۔ ان کے کچھ اشعار درج ذیل میں دیے جاتے ہیں:

ہند کا مرد غلام و پائے بند — کر رہا ہے بندگی سے سربلند
ہیں مگر کچھ مشکلیں حائل اسے — رکھتی ہیں سجدوں پر جو مائل اسے
ایک پیر فربہ و تیرہ دروں — بندہ دہقاں پر جس کا فسوں
دے رہا ہے قوم کو درسِ جمود — دیں ہے اس کی آنکھ میں رقص و سرود [۱۰]

شہیدؔ اپنے ملی تشخص کے سختی سے قائل تھے اور انھیں اسلام کی برکات اور اس کے نظام عدل و مساوات پر یقین کامل تھا۔ چناں چہ اس زمانے میں جب بعض مسلمان اہل قلم اور اہل سیاست بھی تشکیک

کے اندھیروں میں بھٹک کر ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ انھوں نے نہ صرف جداگانہ قومیت اور ملی انفرادیت کا علم بلند کیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے، دعوت نامہ اسلام میں اچھوت ہندوؤں کو دائرہ اسلام میں آنے کی دعوت دی۔

ان کا اسلوب بیان وہی ہے جو حرکت و عمل کے ایک پیامبر کا ہونا چاہیے۔ان کی نظموں میں طنزیہ پیرایہ خاصا نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کے طرز اسلوب کا محرک ملت و معاشرت کی اصلاح کا بے پایاں جذبہ ہے۔ وہ تند و تیز اور تلاطم خیز جذبات کا شاعر تھے۔اس تیزی، تندی اور طوفان کو سامع اور قاری کے قلب و ذہن میں احسن طور پر منتقل کرنے کے لیے انھوں نے جن مختلف اسالیب سے کام لیا ہے ان میں ایک قابل ذکر اسلوب ردیفوں کا استعمال ہے۔ جس طرح اشعار کے آخر میں کچھ الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے، اسی طرح اشعار کے آغاز میں بھی کچھ الفاظ مکرر آتے ہیں۔اس سے شہیدؔ کے ہاں صوتی حسن بھی ابھرتا ہے اور اظہار و بیان بھی زیادہ موثر ہو جاتے ہیں۔

ریاض انور

ریاض انور ۱۹۳۱ء میں دائرہ دین پناہ، ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ مڈل اور میٹرک کے امتحانات لیہ سے پاس کیے۔ مشہور محقق گوپی چند نارنگ ان کے اُس دور کے ہم جماعت اور ساتھی ہیں۔مڈل میں ان کے اردو کے استاد مولوی مرید حسین ڈوگر اُردو ادب کے ایک خوش ذوق معلم تھے۔ ان کی ادبی پرداخت میں اس باکمال استاد کا بھی ہے۔ کشفی ملتانی ان کے ماموں تھے۔ ریاض انور جب سن شعور میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت کشفی ملتانی سپہر ادب پر مہر نیم روز بن کر چمک رہے تھے۔

انھوں نے شعر گوئی کا باقاعدہ آغاز ے۱۹۴ء سے کیا، جب وہ زرعی کالج لائل پور میں فرسٹ ایئر میں ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں انھوں نے بی اے کیا اور ۱۹۵۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے ملتان میں پریکٹس شروع کر دی۔اس دوران میں وہ مشق سخن سے بھی غافل نہ رہے اور ان کا کلام ملک کے معروف ادبی جرائد مثلاً ہمایوں، نقوش، فنون، ادب لطیف وغیرہ میں شائع ہوتا رہا۔ ساتھ ہی انجمن ترقی پسند مصنفین کی سیکرٹری شب کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔اسی زمانے میں سرائیکی علم و ادب اور خصوصاً خواجہ فرید پر کافی کام کیا۔اس زبان کو ملتانی، بہاول پوری، ڈیروی ایسے پرانے ناموں کی جگہ سرائیکی کا نیا نام دینے اور مشتہر کرنے میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ اس طرح یہ زبان علاقائی حد بندیوں سے نکل کر وسعت پذیر

ہوئی۔ انھوں نے جدید سرائیکی ادب کی تحریک چلائی اور سرائیکی کتابیں شائع کرکے اس تحریک کو پروان چڑھایا۔ اس سلسلے میں اردو ترجمے کے ساتھ کلام فرید اور پریت مہار (خواجہ فرید پر مضامین کا مجموعہ) کی اشاعت خصوصاً قابل ذکر ہے۔ جس کے بارے میں طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> اس ادارہ نے ملتان میں شدید ادب کی تاریخ کو آگے بڑھایا ہے۔ فکر و فن کے جالے صاف کیے ہیں۔ دماغ و دل کو روشنی بخشی ہے۔ اس کی ہفت روزہ تنقیدی نشستوں کے سبب شعور و بصیرت عام ہوئی ہے۔ حق یہ ہے کہ ادارہ فکر و فن نے ادب کو وہی کچھ دیا ہے جو آفتاب روشنی حرارت اور زندگی کی شکل میں نو خیز شگوفوں اور نو دمیدہ کلیوں کو بخشتا ہے۔"

۱۹۷۰ء میں وہ ملتان سے لاہور چلے گئے۔ لاہور میں ادبی و ثقافتی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ وزارتِ تعلیم کی طرف سے مرکزی حکومت کی مشاورتی کمیٹی برائے ادب و ثقافت کے ممبر رہے اور پاکستان بک فاؤنڈیشن کے سیکرٹری جنرل بھی۔ اس فاؤنڈیشن کا قیام ۱۹۷۲ء میں قدرت اللہ شہاب کے زیر ہدایت عمل میں لایا گیا۔ اس کا مقصد مختلف پاکستانی علاقوں کو ادبی رشتوں کی وساطت سے ایک دوسرے کے قریب لانا اور جذبہ اخوت کو ابھارنا تھا۔ ان کا ادبی آغاز ترقی پسند تحریک سے شدید طور پر متاثر ہونے سے ہوا تھا، لیکن انھوں نے ادب کو محض پراپیگنڈا اور نعرہ بازی بنانے سے احتراز کیا ہے اور تخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر حسن کاری کے کامیاب نمونے پیش کیے۔ انھوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ آوازوں کا بھنور ان کا شاہ کار ہے۔ کلام دیکھیں:

یہ روشنی کیوں بجھی بجھی ہے — وہ صبح نو کیوں در افق سے پلٹ گئی ہے
چہار سو، ناچتے ہیں محرومیوں کے سائے — دلوں کے صحرا میں آندھیں سر اٹھا رہی ہیں
کہیں چراغ حیات بے رنگ بجھ نہ جائے"[۲]

اختر جعفری

اختر جعفری دائرہ دین پناہ (ضلع مظفر گڑھ) میں ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے اردو، فارسی اور فلسفہ میں ایم۔اے کیا۔ کچھ عرصہ لیکچرر شپ کی۔ ۱۹۶۷ء میں فوج میں کمیشن ملا۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں جنگی قیدی بن گئے۔ بہ طور کیپٹن فوج سے ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں ریڈیو پاکستان ملتان سے وابستہ رہے۔ ان کی تربیت ایک عمدہ ادبی ماحول میں ہوئی۔ ان کے والد فقیر نور جعفری اردو اور سرائیکی

کے کہنہ مشق شاعر تھے۔ کشفی ملتانی سے بھی ان کی قرابت داری تھی۔ اختر جعفری قریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں مگر ان کا خاص میدان غزل ہے اور اسی میں ان کے جوہر کھلتے ہیں۔ وہ خوش لہجہ اور خوش گوار شاعر ہیں۔ کلام صاف اور عمدہ ہے:

رخ سحر پہ شب غم کے سرمئی سائے — نہ جانے کتنی جبینوں کے چاند گہنائے
ہزار زخم ہیں دل پر بہ شکل قوس قزح — پلک پلک نے لہو رنگ ابر برسائے
پہنچ سکی نہ کوئی لو دیار زنداں تک — صبا کے دوش پر کتنے چراغ لہرائے [۱۳]

غلام حسین نفر

غلام حسین نفر (۱۸۹۹ء۔ ۱۹۳۷ء) دائرہ دین پناہ کے رہنے والے اور جناب کشفی ملتانی کے بڑے بھائی تھے۔ مولوی غلام حیدر فدا کے شاگرد رشید تھے۔ ذکر اہلِ بیت میں ان کا شعری مجموعہ نجات الحشر کے نام سے شائع ہوا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

حیرت سے دیکھتا ہے کوئی میرا حال زر — حیرت سے دیکھتا ہوں کسی کو کسی کے ساتھ
دنیا میں کب مصائب دنیا سے ہے نجات — کہتے ہیں کہ جس کو چین ہے وہ موت ہی کے ساتھ [۱۴]

مظفر علی فاتح

مظفر علی فاتح ۱۹۰۹ء میں حصار میں پیدا ہوئے۔ مظفر علی فاتح ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے مظفر گڑھ آباد ہوئے۔ بڑے پر جوش قومی ورکر، مسلم لیگ سرگرم، ایثار پیشہ کارکن، مہاجرین کی آبادی میں بڑے خلوص کے ساتھ کام کیا۔ برسوں ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر رہے اور میونسپل کمیٹی مظفر گڑھ کے میونسپل کمشنر سٹی لیگ کے صدر قومی رضاکار تحریک (مظفر گڑھ) کے بانی مبانی۔ کلام میں تعمیری اور اصلاحی جذبات موج زن ہیں:

خدا بچائے سدا ایسے دوستوں سے مجھے — جو دشمنی کو نبھاتے ہیں دوستی کی طرح
مرو تو گنجِ شہیداں میں ہو مقام اپنا — جیو تو فاتح خیبر بنو علیؑ کی طرح [۱۵]

میاں مظفر مہدی ہاشمی

۲۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو ٹھٹھہ قریشی ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے تاریخ میں ایم اے جب کہ ۱۹۵۸ء میں لندن

یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز کی ڈگری لی۔ مغربی یورپ کا سفر کرنے اور متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے بعد ۱۹۶۰ء میں واپس آئے۔ ۱۹۶۲ء سے عملی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ نثر میں نظریہ پاکستان کا ارتقاء کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ نمونہ کلام:

اپنا تو مظفر ہے عجب حال جہاں میں
ساحل سے کہیں دور بھنور میں ہے سفینہ[16]

غلام مہدی شوق

غلام مہدی شوق خان گڑھ کے رہنے والے تھے۔ سائیکلوں کی مرمت کا کاروبار تھا۔ بقول کشفی ملتانی علم الاعداد، رمل، جفر اور دست شناسی میں خاصی دست گاہ رکھتے تھے۔ آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ بشارت میں ان کا نمونہ کلام شائع ہوتا رہا:

آنکھیں نہیں ہے چہرے پہ مجھ بدنصیب کے — دو مقبرے میں اپنی نگاہوں کی یادگار
اے بتو! گھر میں رکھو اپنی نگاہوں کی شراب — اب یہ پیمانے نہ چھلکاؤ! مجھے روٹی دو
کچھ تو بتلاؤ خداوند جہاں کے بیٹو — معبدو، مندروں، گرجاؤ! مجھے روٹی دو[17]

عادل فریدی

عادل فریدی سنانواں (ضلع مظفر گڑھ) میں مشہور طبیب اور عالم تھے۔ غزل گو شاعر اور فن برائے حیات کے پرچارک تھے۔ گاہے بہ گاہے اپنے شہر کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ کلام دیکھیں:

سب اپنی حد علم و فکر یک تاویل کرتے ہیں — سمجھ سکتے نہیں قصہ مرے حالِ پریشاں کا
بہار آئی بہار آئی اک عرصے سے سنتے ہیں — مگر حسبِ توقع رنگ بھی بدلے گلستاں کا[18]

رضا ٹوانہ

اُردو غزل گو شعراء میں رضا ٹوانہ کا مقام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ وہ ہاکی کے بہت اچھے کھلاڑی رہے تاہم کشفی ملتانی کی صحبت نے اُن کے اندر چھپے ہوئے کھلاڑی کو شاعر بنا دیا۔ اُن کی شاعری معاشرے کی عکاس ہے۔ ہر طبقہ ہر مکتب فکر اُن کی شاعری کا موضوع ہے۔ اُن کی شاعری سحر لدھیانوی، اختر شیرانی سے متاثر نظر آتی ہے۔ گیسوئے رہگزر، کرب صحرا، مقتل میں چاندنی، شام ہونے دو اور انتظار مت کرنا اُن کے نمائندہ شعری مجموعے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو:

آنسوؤں کے سفید ہیروں کو آج رخسارِ گُل سے گرنے دو
ایک دیوی کو ہم نے پوجا تھا یہ اُسی کی سزا ہے ملنے دو [19]

مضطر بخاری

مظفر حسین مضطر بخاری نے مظفر گڑھ کے شعری و ادبی حلقوں میں منفرد مقام حاصل کیا۔ نیند سے پہلے آواز نہ دینا،سمندر سو گیا ہے،پتھروں کے بدن،اسیر درد کے ان کے نمائندہ شعری مجموعے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں درد و غم کے احساسات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اُردو شاعری کی روایت میں تصوف ایک نمایاں موضوع ہے۔ یہی تصوف انسان کو سادہ اور اُس کے نفسِ عمارہ کے خلاف اُس کی نفی کرنا سکھاتا ہے۔ مضطر بخاری کی شاعری اُردو کی تصوفانہ شاعری کی روایت کی عکاس ہے۔ نمونہ کلام:

ایک چھت کی انھیں ضرورت کیا
سر پہ جو آسمان رکھتے ہیں [20]

مخدوم غفور ستاری

مخدوم غفور ستاری مظفر گڑھ میں اُردو ادب بالخصوص اُردو شاعری کا معتبر حوالہ ہیں۔ حالات کے پیش نظر اُن کی زندگی میں اُن کا مجموعہ کلام شائع نہ ہو سکا۔ غزل جزیرہ کے نام سے اُن کی غزلیات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ غفور ستاری نے اُردو ادب کے مشہور محقق و نقاد عابد علی عابد سے شعری اصلاح لی:

مخدوم ہوں عابد علی عابد کا تلمذ
یونہی تو نہیں رکھتا میں خو بوئے تلمذ [21]

۱۹۵۶ء میں انھوں نے ملتان میں ادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور ۱۹۵۸ء میں بزم فروغ ادب تشکیل دی۔ کچھ عرصہ بعد مستقل طور پر مظفر گڑھ میں مقیم ہوئے اور ہفت روزہ صدائے مخدوم کا اجرا کیا۔ مظفر گڑھ میں بزم ستاری کے پلیٹ فارم کا آغاز کیا اور اس پلیٹ فارم سے مظفر گڑھ میں معاشرتی اور ادبی مجالس کا اہتمام کرتے رہے۔

افضل چوہان

اُردو شاعری اور غزل کے حوالے سے ضلع مظفر گڑھ میں محمد افضل چوہان کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۷۸ء سے بزم اقبال مظفر گڑھ کے کارکن، ۱۹۸۴ء میں بزم ستاری کے جنرل سیکرٹری، ۲۰۱۲ء میں

سخنور ادبی فورم کے سیکرٹری اور ۲۰۱۴ء میں بزمِ سخن مظفر گڑھ کے سرپرست کی حیثیت سے افضل چوہان نے اپنی ادبی خدمات پیش کیں۔ اُن کا شعری مجموعہ اُسے کہنا ۱۹۹۷ء میں الحمد پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوا۔ ۲۰۱۰ء میں اُردو ماہیوں پر مشتمل مجموعہ خاموش نہ ہو ماہیا شائع ہوا۔ نمونہ کلام:۔

سب میرے دشمن تھے زیرِ آسماں جتنے بھی تھے		کیا ہوئے جانے وہ میرے مہرباں جتنے بھی تھے

تیز طوفانوں کی زد میں جب سمندر آ گیا		اُڑ گئے سب کشتیوں کے بادباں [22]

مظہر حسین قلندرانی

اُردو شاعری میں مظہر قلندرانی کے نام سے شہرت پانے والے مظہر حسین قلندرانی قصبہ بصیرہ میں پیدا ہوئے۔ اسی قصبہ کے حوالے سے قلندر قلم قبیلہ پاکستان کے نام سے ادبی تنظیم بنائی۔ مظہر قلندرانی پاکستان میں جدید ادبی تحریکوں سے وابستہ رہے اسی لیے اُن کے کلام میں جدت جھلکتی ہے۔ اُن کا پہلا اُردو شعری مجموعہ پرندے ہجرت کر رہے ہیں ۱۹۹۶ء میں، دوسرا مجموعہ لہو لبادے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ مظہر قلندرانی کی غزل اور اُس کے موضوعات جدت کے حامل ہیں اور عہد کے لیے تازگی کا مظہر ہیں۔ اُن کی غزل کے موضوعات جہاں اُن کے ذاتی کرب کا نوحہ ہیں، وہیں اُس میں معاشرتی، سماجی رویوں، ناانصافی، ظلم، جبر و استحصالی نظام کے خلاف بغاوت، انقلابی کیفیت کی بازگشت بھی موجود رہتی ہے۔ ان کا نمونہ کلام دیکھیں:

ناحق مجھے مقتل کی طرف لے کے چلے ہو
اس دور میں زندہ ہوں یہی بڑی بات ہے [23]

اُردو ادب کے علمی مراکز سے دور ہونے کے باوجود ضلع مظفر گڑھ کے اُردو غزل گو شعراء نے اُردو شاعری بالخصوص اُردو غزل کی ترقی و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس خطے میں کل پاکستان مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا رہا ہے۔ عہدِ حاضر میں شعرا کی ایک طویل فہرست ہے جن کا تعلق اس خطے سے ہے، اور وہ پوری اردو دنیا میں غزل کی زندگی اور آبرو کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہیں۔ ان شعراء کی غزل کے موضوعات میں عشق و محبت، فلسفہ حیات، تنہائی، ہجر و وصال، خود شناسی، انقلاب و بغاوت، فلسفہ مرگ و زیست اور خدا شناسی ایسے افکار نمایاں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سید سرمد ترمذی، بحوالہ: سرزمین مظفر گڑھ، محمد شہزاد (لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۷ء)، ۱۲۵۔

۲۔ عطاء اللہ ناوک، بحوالہ: سرزمین مظفر گڑھ، محمد شہزاد، ۱۶۷۔

۳۔ نواب جلال مرزا خانی، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۸ء)، ۱۶۱۔

۴۔ کشفی ملتانی، بحوالہ: شجرِ سایہ دار صحرا کا، مرتبہ: طاہر تونسوی (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء)، ۱۷۱۔

۵۔ خلیق ملتانی، دولتِ احساس (ملتان: ہمدرد پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۲ء)، ۱۷۶۔

۶۔ حکیم چراغ علی آزاد، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۱۶۷۔

۷۔ نواب زادہ نصر اللہ خان، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۲۱۲۔

۸۔ کشفی ملتانی، ''پروانہ بجنوری''، ہفت روزہ بشارت، جلد ۳، شمارہ ۱۲، ۱۹۶۰ء۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ شہید ابنِ علی، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۱۷۸۔

۱۱۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ملتان میں اُردو شاعری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ۵۶۔

۱۲۔ ریاض انور، نوک خار (جہلم: مرکزی ادبی مجلس، ۱۹۸۵ء)، ۳۸۔

۱۳۔ اختر جعفری، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۱۲۹۔

۱۴۔ غلام حسین نفر، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۱۹۹۔

۱۵۔ مظفر علی فاتح، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۲۱۳۔

۱۶۔ مظہر مہدی ہاشمی، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۲۱۵۔

۱۷۔ غلام مہدی شوق، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۲۲۷۔

۱۸۔ عادل فریدی، بحوالہ: آیاتِ ادب، جعفر بلوچ، ۲۴۳۔

۱۹۔ رضا ٹوانہ، سورج سے بغاوت (لاہور: حماد پبلشرز، ۲۰۰۰ء)، ۳۱۔

۲۰۔ مضطر بخاری، پتھروں کے بدن (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۴۲۔

۲۱۔ غفور ستاری، غزل جزیرہ (لاہور: خزینہ ادب، ۲۰۰۴ء)، ۲۱۶۔

۲۲۔ افضل چوہان، اُسے کہنا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۱۱۳۔

۲۳۔ مظہر قلندرانی، پرندے ہجرت کر رہے ہیں (ملتان: صفدر پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۳ء)، ۱۳۔